

تحفۃ المناظر

مبادیات مناظرہ، اصول حدیث، عقائد، تقلید، رفع یدین، قرأت خلف الامام
بیس تراویح، آمین بالجہر، طلاق ثلاثہ، صفات باری تعالیٰ، حاضر و ناظر،
علم غیب، نور بشر اور عید میلاد النبی پر مکمل و مدلل سیر حاصل بحث



مناظر اسلام وکیل احناف
حضرت مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

ترتیب و تخریج
مفتی ضیاء الرحمان ذاکر
سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ


مسئلہ قرأت خلف الامام

قرأت خلف الامام

مدعی کون ہے؟

اس مسئلے میں بھی غیر مقلدین مدعی اور ہم مدعا علیہ، نافی اور سائل ہیں، کیوں کہ مدعی کی تعریف: "مــــن إذا ترك تُرك" جو اپنے دعویٰ کو چھوڑ دے اسے چھوڑ دیا جائے اور اس سے مناظرہ نہ کیا جائے، غیر مقلدین پر صادق آتی امام پر قرأت لازم ہے دونوں فریق اس کے قائل ہیں، منفرد قرأت کرے گا اس پر بھی اتفاق ہے۔ اختلاف کے بارے میں ہے، غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مقتدی پر بھی قرأت کرنا لازم ہے جب کہ ہم اس کی نفی کرتے اپنے دعویٰ کو چھوڑ دیں تو اختلاف ہی نہیں۔ مدعی کی تعریف ان پر صادق آتی ہے، لہٰذا وہ مدعی ہیں۔

نیز "الذی یثبت أمراً زائداً فهو المدعی" کے پیشِ نظر بھی غیر مقلدین مدعی ہیں، وہ اس طرح کہ امام کے بارے میں اتفاق ہے کہ دونوں قرأت کریں گے، اختلاف مقتدی میں ہے۔ غیر مقلدین ایک امر زائد مقتدی" کو ثابت کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمے قرأت واجب ہے، لہٰذا وہ مدعی ہیں۔

دعویٰ

جب غیر مقلدین مدعی ہیں تو دعویٰ لکھنا اور دعویٰ کے مطابق دلیل پیش کرنا ان کی ذمہ داری ہے، لیکن وہ ہم ہیں کہ آپ حدیث سے ثابت کریں کہ مقتدی کے ذمے قرأت لازم نہیں اور مقتدی کو قرأت سے منع کیا گیا ہے۔ اصل ضابطے اور قاعدے کے مطابق دلائل وبینہ اثباتات کے لئے ہوتے ہیں اور اثبات مدعی کے ذمے سے مطالبہ کرنا کہ ایسی حدیث دکھائیں کہ مقتدی قرأت نہ کرے قلب موضوع اور غصب ہے۔ ہم چونکہ نفی کو کہتے ہیں، لہٰذا ہم بھی دلائل پیش کریں گے لیکن اولاً دلائل پیش کرنا غیر مقلدین کی ذمہ داری ہے۔

☆- دعویٰ میں ان سے حکم قرأت (فرض ہے یا واجب وغیرہ)۔

☆-محل تعیین قرأت کس وقت قرأت کرے گا؟۱-امام کے ساتھ،۲-امام کے بعد،۳-سکتات امام میں۔

☆-اور یہ بات کہ مقتدی ہر رکعت میں قرأت کرے گا یا نہیں؟ لکھوانا ضروری ہے۔

حکم قرأت اس لئے لکھوائیں گے کہ صرف یہ کہنا ''مقتدی امام کے پیچھے قراءت کرے گا'' معتبر نہیں، بلکہ اسی قرأت کرنے کو کسی نہ کسی حکم شرعی سے مقید کرنا ہوگا، اسی طرح یہ دعویٰ کہ ''مقتدی پر قرأت لازم ہے'' بھی محل نظر ہے۔ کیونکہ لازم بمعنی فرض ہے یا واجب؟ ہر ایک کا اثبات مختلف دلائل سے ہوگا، اس لئے ابتداءً ہی یہ لکھوانا ہوگا کہ مقتدی پر قرأت فرض ہے یا واجب۔

محل تعیین قرأت اس لئے لکھوائیں گے کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں:

۱-امام کے ساتھ قرأت کرے،۲-امام کے سکتے کے دوران پڑھے،۳-امام سورۃ فاتحہ پڑھ کر رک جائے یہاں تک کہ مقتدی قرأت کرے، پھر سورۃ ملائے۔ ان تین صورتوں میں مقتدی کون سی صورت اختیار کرے گا؟ پہلی صورت کے آپ قائل نہیں، نیز اس میں صراحتاً ﴿فاستمعوا له وانصتوا﴾ کی خلاف ورزی ہے۔ دوسری یا تیسری صورت آپ اختیار کرتے ہیں یعنی یا سکتات کے دوران پڑھے یا فاتحہ کے بعد سکتہ طویلہ کے دوران پڑھے۔ سکتے کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ''ولا الضالین'' کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی دیر خاموش رہتے (۱)۔

جب مقتدی کے ذمے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہوا اور یہ سکتات اخیرہ یا سکتہ طویلہ اخیرہ پر موقوف ہے تو ما يتوقف عليه الواجب فهو واجب کے قاعدے کے تحت یہ سکتات یا سکتہ طویلہ اخیرہ واجب ہوں گے۔ لہٰذا ان کے وجوب پر کوئی صحیح حدیث دکھائیں حالانکہ صحیح کجا اس بارے کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں۔ علاوہ ازیں اگر امام سکتہ ہی نہ کرے تو پھر فاتحہ کا حکم نیز اس نماز کا حکم جو سکتات سے خالی ہو آپ کے نزدیک کیا ہے؟

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وأما السكوت عقيب الفاتحة فلا يستحبه أحمد كما لا يستحبه مالك وأبو حنيفة، والجمهور لا يستحبون أن يسكت الإمام ليقرأ المأموم، وذلك أن قراءة المأموم عندهم إذا جهر الإمام ليست بواجبة ولا مستحبة بل هي منهي عنها" (۲)۔

''امام احمد بھی امام مالک و ابو حنیفہ کی طرح فاتحہ کے بعد امام کے سکتہ کرنے کو مستحب

---

(۱) (ابن ماجة، باب في سكتتي الإمام: ٦١، قديمي).

(۲) (مجموعة الفتاوى: ٢٢/٢٠١، مكتبة العبيكان).

نہیں کہتے، جمہور علماء اسے مستحب نہیں سمجھتے کہ امام سکوت کرے تا کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک امام جب جہراً قرأت کر رہا ہو تو مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا نہ واجب ہے اور نہ ہی مستحب بلکہ ممنوع ہے"۔

یہ بھی لکھوانا ہوگا کہ سورۂ فاتحہ کو پڑھنا ہر ہر رکعت میں واجب ہے یا نہیں؟

جواب دعویٰ

اگر وہ اپنا دعویٰ صحیح انداز میں لکھ دیں، مثلاً "مقتدی کے لئے ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سکتات امام میں فرض یا واجب ہے" تو پھر ہم جواب دعویٰ لکھیں گے کہ "مقتدی کے لئے قرأت خلف الامام مکروہ تحریمی ہے"۔

وضاحت مسئلہ

دراصل یہاں دو مسئلے ہیں: ۱-قرأت مطلقہ ۲-قرأت خلف الامام

قرأت مطلقہ

مطلق قرأت یعنی بقدر آیت کو امام ابوحنیفہ اسے فرض کہتے ہیں، باقی سورۃ فاتحہ یا ضم سورۃ مع الفاتحہ واجب ہیں۔ جب کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد سورۃ فاتحہ کو رکن اور فرض قرار دیتے ہیں اور ضم سورۃ ان کے ہاں سنت مؤکدہ ہے۔

"ذهب أبوحنيفة إلى وجوب الفاتحة وذهب مالك والشافعي وأحمد إلى ركنيتها بفرضيتها"(۱).

امام صاحب کے دلائل

قرأت مطلقہ کی فرضیت پر امام صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

﴿فاقرؤوا ماتيسر من القران﴾ [المزمل: ۲۰] من القرآن "ما" کا بیان ہے اور کلمہ "ما" عموم کے لئے ہے مجمل نہیں اور آیت قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ہے، اس لئے جانب اثبات میں فرضیت ثابت ہوگی، لہٰذا قرأت مطلقہ فرض ہے۔

---

(۱) (معارف السنن، كتاب الصلوة، باب ماجاء أنه لاصلوة إلا بفاتحة الكتاب: ۳۸۲/۲، سعيد).

"ما" کے عموم میں اجمال نہیں کہ آپ کہیں حدیث: لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب اس اجمال کی تفسیر ہے کیونکہ اجمال میں جب تک مجمل مراد واضح نہ کرے اس وقت تک وہ مجمل اور نا قابلِ عمل رہتا ہے، یہاں مراد بالکل واضح ہے کوئی اجمال نہیں۔

اشکال: آپ اسے مطلق قرار دیتے ہیں اور مطلق من حيث أنه مطلق کا کوئی وجود خارجی نہیں ہوتا بلکہ مطلق کا وجود مقید کے ضمن میں ہوتا ہے، لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ یہ مطلق خارج میں فاتحہ کے ضمن میں ہے۔ لہٰذا قرأت فاتحہ فرض ہے۔

جواب: یہ مطلق صرف فاتحہ کے ضمن میں نہیں بلکہ ﴿إنا أعطينك الكوثر﴾ [الكوثر: ١] اور ﴿والعصر إن الإنسان لفي خسر﴾ [العصر: ٢،١]، کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے اور آپ اس کے قائل نہیں، اسی طرح ہم بھی آپ کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ اس مطلق کو صرف فاتحہ کے ضمن میں مقید کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والتقييد بالفاتحة بنا في التيسير الذي يدل عليه الإطلاق، فلا يصح حمله عليه، وأيضاً فسورة الإخلاص متيسرة، وهي أقصر من الفاتحة فلم ينحصر التيسير في الفاتحة"(١).

فائدہ: موجود خارجی میں مقید اور خاص، مطلق و عام کے ضمن میں ہوتے ہیں لیکن احکام میں یہ ترتیب نہیں ہوتی، خاص کے احکام الگ اور عام کے الگ ہوتے ہیں، خاص و مقید کا دائرہ تنگ جب کہ عام و مطلق کا دائرہ وسیع ہوتا ہے مطلق کی عمومیت لابشرط شئی کے درجے میں جب کہ عام کی عمومیت بشرط شئی (بشرط عمومیت کے درجے میں ہوتی ہے)۔

٢- "عن أبي هريرة قال: قال لي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: اخرج فنادِ في المدينة أن لا صلوة إلا بقرآن ولو بفاتحة الكتاب فما زاد"(٢).

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے کہا مدینے میں اعلان کرو کہ بغیر قرأت کے نماز نہیں ہوتی، اگر چہ وہ قرأت فاتحہ اور اس سے زائد سورہ کے ضمن میں ہو"۔

(١) (فتح الباري: ٣٨٥/٢، بحواله خاتمة الكلام: ٢٤، مكتبه حليمية).

(٢) (سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب من ترك القراءة في الصلوة: ١٢٥/١، إمدادية).

عکاشہ کی دلیل

"لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب"(۱). جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔
اس سے سورۂ فاتحہ کے فرض اور رکن ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

جواب: الخبر الواحد لاتثبت به الفرضية، خبر واحد سے فرضیت کا ثبوت نہیں ہوتا۔

۲- قرأ سورة الفاتحة وسورة معها اور قرأ بفاتحة الكتاب میں فرق ہے، جہاں صرف سورۃ الفاتحہ تحہ بغیر "با" کے ہیں وہاں پر "مازاد" کے الفاظ بھی ہیں اور جب "با" کے ساتھ متعدی کیا جائے تو اس کا طلب یہ ہے کہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ہے۔ اسی طرح بغیر "با" کے ہو تو معنی صرف فاتحہ پڑھی۔ حدیث میں "لم فاتحة الكتاب" ہے یعنی فاتحہ کے ساتھ کچھ اور (سورۃ) بھی ہے۔ تو آپ صرف سورۃ فاتحہ کی فرضیت ثابت تے ہیں، سورۃ کی فرضیت کے قائل کیوں نہیں؟

۳- ابن ماجہ میں روایت ہے: "من صلى صلوة لم يقرأ فيها بأم القران فهي خداج غير تمام".

''جس نے اس طرح نماز پڑھی کہ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی تو اس کی نماز ناقص ہے''(۲)۔

قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کا رکن اور شے کی ماہیت ختم ہو جائے تو اس پر شئی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اگر سورۃ ض ہوتی تو وہ آدمی جس نے اس کی قرأت نہیں کی اس کی نماز ہی نہیں ہونی چاہیے، حالانکہ حدیث میں "غیر تمام" تے ہیں اور یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت فرض نہیں۔



نسائی، کتاب الصلوۃ، باب إيجاب قراءة فاتحة الكتاب في الصلوة: ۱/۱۴۵، قدیمی)۔

صحه، باب القراءة خلف الإمام: ۶۰، ۶۱، میر محمد)۔

قرأت خلف الامام

مذہب حنفی

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے نزدیک سورۃ فاتحہ کی قرأۃ خلف الامام مکروہ تحریمی ہے، نماز سری ہو یا جہری مقتدی امام کی آواز سنے یا نہ سنے۔ باوجود کراہت تحریمی کے اگر مقتدی قرأت کرے تو اس کی نماز پر بطلان کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فإن قرأ كره تحريما، وتصح في الأصح"(١).

سری نمازوں میں جواز قرأت امام محمد سے منقول نہیں

غیر مقلدین نے یہ بات مشہور کی کہ امام محمد سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی قرأت کے قائل ہیں حالانکہ امام محمد سے صراحتاً اس کے خلاف منقول ہے: "قال محمد: لا قرأة خلف الإمام فيما جهر به ولا فيما لا يجهر، بذلك جاءت عامة الآثار، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله"(٢).

"امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں قرأت کی جائے گی نہ ہی سری نمازوں میں، آثار میں یہی ذکر ہے اور امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہے"۔

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والمؤتم لا يقرأ مطلقاً ولا الفاتحة في السرية اتفاقاً، وما نسب لمحمد ضعيف كما بسطه الكمال"(٣).

---

(١) (الدر المختار، قبيل باب الإمامة: ١/٥٤٤، سعيد).

(٢) (مؤطا إمام محمد، باب القراءة في الصلاة خلف الإمام: ٩٧، نور محمد).

(٣) (الدر المختار، قبيل باب الإمامة: ١/٥٤٤، سعيد).

مذہب مالکی

امام مالک فرماتے ہیں: جہری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام مکروہ تحریمی اور سری نمازوں میں مستحب ہے۔

مذہب شافعی

امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ جہری اور سری دونوں میں قرأۃ خلف الامام واجب ہے اور قول جدید یہ ہے کہ جہری نمازوں میں قرأت نہ کرے، سری میں کرے(۱)۔

مذہب حنبلی

جہری نمازوں میں اگر امام کی آواز آرہی ہو تو قرأت خلف الامام مکروہ تحریمی ہے، اگر آواز نہ آرہی ہو تو پڑھنا مستحب ہے۔ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الاستحباب أن یقرأ فی سکتات الإمام وفیما لا یجهر فیه وهذا قول أکثر أهل العلم ...... فإن لم یفعل فصلاته تامة؛ لأن من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة وجملة ذلك أن القراءة غیر واجبة علی المأموم فیما جهر به الإمام ولا فیما أسر به، نص علیه أحمد فی روایة الجماعة، وبذلك قال الزهری والثوری وابن عیینه ومالك وأبو حنیفة وإسحاق"(۲).

"اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ سکتات امام اور سری نمازوں میں قرأت خلف الامام مستحب ہے، اگر کوئی نہ پڑھے تب بھی اس کی نماز مکمل ہے، کیونکہ جب امام موجود ہے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نماز جہری ہو یا سری، مقتدی پر قرأت واجب نہیں۔ امام احمد کی ایک روایت یہی ہے اور یہی تحقیق زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور اسحٰق بن راہویہ کی ہے"۔

غیر مقلدین کا مذہب

تلفیق بین المذاہب ہے یعنی نماز جہری ہو یا سری، امام کی آواز سنائی دے یا نہ ہر حال میں قرأت کرنا واجب ہے اور یہ مذہب اجماع امت کے خلاف ہے کیونکہ جہری نمازوں میں جب قرأت سنائی دے تو سب کے ہاں

---

(۱) معارف السنن، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی ترك القراءۃ خلف الإمام: ۱۱۷/۲، مکتبہ صفدریہ۔

(۲) المغنی لابن قدامة، کتاب الصلوۃ: ۱/۶۳۹-۶٤۱، دار الفکر۔

قرأت خلف الامام ناجائز ہے جب کہ غیر مقلدین اسے واجب کہتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں: "ماسمعنا أحداً من أهل الإسلام يقول: إن الإمام إذا جهر بالقراءة لاتجزئ صلوٰة من خلفه إذا لم يقرأ. وقال: هذا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وأصحابه والتابعون، وهذا مالك في أهل الحجاز، وهذا الليث في أهل مصر ماقالوا لرجل صلى، وقرأ إمامه ولم يقرأ هو: صلاته باطلة، ولأنها قراءة لاتجب على المسبوق فلم تجب على غيره كالسورة"(۱).

"اہل اسلام میں، میں نے کسی کا یہ قول نہیں سنا کہ جہری نمازوں میں اگر وہ قرأت نہ کرے تو اس کی نماز نہیں ہوئی، مزید فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام، اہل حجاز میں امام مالک، مصر میں لیث ہیں، ان میں سے کسی نے کبھی کسی مقتدی کو قرأت خلف الامام نہ کرنے پر بطلان نماز کا نہیں فرمایا، اس لئے کہ قرأت فاتحہ جب مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہیں جیسا کہ قرأت سورۃ واجب نہیں"۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرأت خلف الامام کے بارے میں احادیث ہوں وہ حنفیہ کے اس استدلال کے برابر نہیں جو انہوں نے قرآن کی آیت سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "الذين ينهون عن القراءة مع الإمام هم جمهور السلف والخلف، ومعهم الكتاب [والسنة] الصحيحة، والذين أوجبوها على المأموم في حال الجهر هكذا فحديثهم قد ضعفه الأئمة [...] أبوداود، وقوله في حديث أبي موسى "وإذا قرأ فأنصتوا" صححه أحمد وإسحاق ومسلم بن [...] وغيرهم، وعلله البخاري بأنه اختلف فيه، وليس ذلك بقادح في صحته، بخلاف ذلك [...] فإنه لم يخرج في الصحيح، وضعفه ثابت من وجوه، وإنما هو من قول عبادة بن الصامت"(۲)

"سلف وخلف کے جمہور علماء امام کے ساتھ مقتدی کو قرأت سے منع کرتے ہیں اور قرآن واحادیث صحیحہ سے ان کی تائید ہوتی ہے اور جو لوگ جہر امام کے باوجود مقتدی پر قرأت کو

(۱) (المغني لابن قدامة، كتاب الصلوة، قراءة المأموم الفاتحة: ۱/۶۳۸، دار الفكر).

(۲) (مجموعة الفتاوى: ۲۲/۲۰۱، مكتبة العبيكان).

واجب کہتے ہیں، ان کی مستدل حدیث ائمہ محدثین کے ہاں ضعیف ہے، جسے ''ابوداؤد'' نے روایت کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد ''اور جب امام قراءت کرے تو خاموش ہو'' کو امام احمد، اسحٰق، مسلم بن الحجاج وغیرہ نے صحیح قرار دیا، اگرچہ بخاری نے بوجہ اختلاف اسے معلول قرار دیا لیکن بخاری کا معلوم کہنا اس حدیث کی صحت کو کم نہیں کرتا، اس کے برخلاف قرأت کو واجب کہنے والوں کی مستدل حدیث تو ''صحیح'' میں نہیں اور اس کا ضعیف ہونا بھی کئی وجوہ سے ثابت ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ عبادہ بن صامت کا قول ہے''۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والمأموم إذا سمع قراءة الإمام فلا يقرأ بالحمد ولا بغيرها لقوله تعالى: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ ولما روى أبوهريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: مالي أنازع القرآن، قال: فانتهى الناس أن يقرؤوا فيما جهر فيه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم. وجملة ذلك أن المأموم إذا كان يسمع قراءة إمامه لم تجب عليه القراءة ولا تستحب عند إمامنا والزهري والثوري ومالك وابن عيينه وابن المبارك وإسحاق وأحد قولي الشافعي ونحوه عن سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير وأبي سلمة بن عبد الرحمن وسعيد بن جبير وجماعة من السلف"(١).



☆......☆......☆......☆

(١) مغنی لابن قدامة، كتاب الصلوة، قراءة المأموم خلف الإمام: ٢/٦٣٦، دار الفكر).

حنفیہ کے دلائل

﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ [الأعراف: ۲۰۴].

"إذا" شرطیہ ظرف محلاً منصوب ہے اور "اذا" شرطیہ وقت کے معنی میں آتا ہے۔اس میں عامل ناصب کون ہے؟اس بارے میں دو مذہب ہیں:

ا-"إذا" کا مابعد اس میں عمل کرتا ہے، وہ عامل بھی ہے اور معمول بھی، اسی طرح "إذا" عامل بھی ہے اور معمول بھی، جیسے: من تضرب أضرب "من" اور "تضرب" ان میں ہر ایک عامل بھی ہے اور معمول بھی۔"من" عامل تضرب معمول کہ "من" نے اسے جزم دی اور "من" خود محلاً منصوب ہے کیونکہ "تضرب" کے لیے مفعول واقع ہوا ہے۔ ہر ایک عامل بھی معمول بھی۔یہ قول اگرچہ مشہور ہے لیکن مختار و پسندیدہ نہیں۔

دوسرا مذہب "إذا" محلاً منصوب اور عامل ناصب جزاء ہے، مثلاً: ﴿إذا جاء نصر الله والفتح﴾ (إلی قوله) ﴿فسبح بحمد ربك﴾ .یہ جزاء ہے اور یہی عامل ہے، یعنی سبح بحمد ربك وقت مجيء نصرة الله۔ لہٰذا آیت کا معنی استمعوا وأنصتوا وقت قراءته قرأت کے وقت تم سنو اور خاموش رہو اور قرأت کا وقت متعین ہے تکبیر تحریمہ اور ثناء کے بعد قرأت ہوتی ہے، لہٰذا اس وقت خاموش رہو۔اس سے یہ سوال بھی حل ہو گیا کہ جب قرأت کی آواز ہی نہ سنائی دے تو کیا سنیں گے اور کیا خاموش رہیں گے۔

استماع قرآن واجب ہے

"الأمر بالشيء يوجب تحريم ضده، والنهي عن الشيء يثبت إيجاب ضده". ﴿ولا تكونوا من المشركين﴾ شرک منہی عنہ اور حرام ہے، لہٰذا عقیدۂ توحید واجب ہے۔﴿لا تقربوا الزنا﴾ زنا حرام اور منہی ہے تو اس کی ضد ترک زنا واجب ہے۔اب ہم کہتے ہیں کہ ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ قرآن وانصات واجب ہے، لہٰذا ترک استماع وانصات حرام ہوگا۔اور قرأت خلف الامام میں ترک استماع و

ہے تب۔

اس کے علاوہ دیگر آیات بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نزول قرآن کی حکمت اس میں غور وفکر کرنا ہے۔ ﴿کتاب أنزلناه إليك مبارك ليدبروا آياته وليتذكر أولو الألباب﴾ [ص: ٢٩]. ﴿أفلا يتدبرون القرآن﴾ [النساء: ٨٢]، ﴿وأوحي إليّ هذا القرآن لأنذركم به ومن بلغ﴾ [الأنعام: ١٩]، ﴿يا أيها الناس قد جاءتكم موعظة من ربكم وشفاء لما في الصدور وهدى ورحمة للمؤمنين﴾ [يونس: ٥٧]، ﴿سورة أنزلناها وفرضناها وأنزلنا فيها آيات بينات لعلكم تذكرون﴾ [النور: ١].

جب نزول قرآن کی حکمت غور وتدبر ہے تو سامع پر سکوت واجب ہے تاکہ تدبر وغور فوت نہ ہو۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فقد أمر الله ورسوله بالإنصات للإمام إذا قرأ، وجعل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ذلك من جملة الائتمام به، فمن لم ينصت له لم يكن قد ائتم به، ومعلوم أن الإمام يجهر لأجل المأموم، ولهذا يؤمن المأموم على دعائه فإذا لم يستمع لقراءته ضاع جهره"(١).

اس پر اشکال کرتے ہیں کہ پھر آپ قرأت خلف الامام کو بجائے مکروہ تحریمی کے حرام کیوں نہیں کہتے؟

جواب: مکروہ تحریمی اقرب إلی الحرام ہے۔ بمقتضائے قاعدہ تو اسے حرام کہنا چاہیے تھا، لیکن اختلاف کی وجہ سے اس میں خفت پیدا ہوگئی، اس لئے ہم نے ایک درجہ کم کردیا اور مکروہ تحریمی کہا۔

آیت کا شانِ نزول نماز ہی ہے

کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت نماز سے متعلق نہیں بلکہ خطبے میں استماع وانصات کے بارے میں نازل ہوئی۔

جواب: یہ حکم عام ہے، کیونکہ "قرئ" کا فاعل محذوف ہے اور حذف الفاعل عموم کے لئے ہوتا ہے، جب عام ہے تو اس عموم میں امام بھی داخل ہوگا کہ جب امام قرأت کرے تو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

شانِ نزول کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن کی آیت سے ثابت شدہ احکام پر عمل کیا جائے شانِ نزول کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ اس لئے کہ: أضر الأشياء في فهم القرآن شان النزول کیونکہ حکم عام ہوتی ہے اور شانِ نزول خاص، اور عام آیت کو خاص مورد پر بند کرنا درست نہیں۔ نیز مسلم قاعدہ ہے کہ

---

(١) مجموعة الفتاوى: ٢٢/١٧٧، مكتبة العبيكان.

"العبرة لعموم اللفظ لالخصوص المورد".

اگر شانِ نزول خطبہ ہوتا تب بھی عمومیت الفاظ نماز کو شامل تھے لیکن علامہ ابن تیمیہ نے اجماع نقل کیا کہ اس آیت کا شانِ نزول نماز ہے: "قال أحمد بن حنبل: أجمع الناس على أنها نزلت في الصلوة" (۱).

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فإذا ظهر حق الظهور أن أرجح تفاسير الأية هو القول الثاني، وهو أنها نزلت في القراءة خلف الإمام. وأما غيرها من الأقوال فمنها ماهي مردودة قطعاً لاتجد سنداً ومستنداً، ومنها ماهي مخدوشةٌ، ومنها ماهي غير منافية، وهذاالقول ترجيحه بوجوه: أحدها: أنه لاتعارضه الأخبار والآثار، وليست فيه خدشةٌ ومناقضة عند أولي الأبصار.

وثانيها: أنه منقول عن الأئمة الثقات من غير معارضات.

وثالثها: أنه قول جمهور الصحابة حتى ادعى بعضهم الإجماع على ذلك، كما أخرج البيهقي عن أحمد أنه قال: أجمع الناس على أن هذه الأية نزلت في الصلوة.

وقال ابن عبدالبر في "الاستذكار" هذا عند أهل العلم عند سماع القرآن وفي لايختلفون أن هذه الخطاب نزل في هذا المعنى دون غيره.

فعُلِمَ أن اختيار هذه الأية نزلت في الخطبة، وكذا اختيار باقي الأقوال المخدوشة استدلال الحنفية بعيدٌ كل البعد عن الإنصاف، ومع العلم بما حققنا لايخلو عن الاعتساف" (۲).

"یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی کہ آیت کی سب سے صحیح اور راجح تفسیر یہ ہے کہ قرأت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی اور اس کے علاوہ باقی اقوال بلاسندِ معتمد قابلِ رد ہیں اور بعض مخدوش، بعض اس کے منافی نہیں۔ اس قول کی ترجیح کی کئی وجوہات ہیں:

۱۔ دیگر احادیث و آثار اس کے معارض نہیں اور نہ ہی اہلِ علم کے ہاں یہ مخدوش

(۱) (مجموعة الفتاوى: ۲۲/۱۷۷، مكتبة العبيكان).

(۲) (مجموعة رسائل لكهنوى، إمام الكلام: ۳/۱۲۷-۱۲۸، إدارة القرآن).

ومتناقض ہے۔

۲- بلا تعارض یہی بات ائمہ سے مروی ہے۔

۳- جمہور صحابہ کا یہی قول ہے حتی کہ بعض حضرات نے اجماع کا دعوی کیا جیسا کہ بیہقی نے امام احمد کے حوالے سے نقل کیا: ''اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی''۔

ابن عبد البر ''استذکار'' میں فرماتے ہیں: اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت نماز میں قرآن سننے کے متعلق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے استدلال کو رد کرنے کے لئے یہ کہنا کہ آیت کا شانِ نزول خطبہ یا دیگر اقوال مخدوش ہیں، انصاف کے مراحل سے بہت دور ہے، ہماری اس تحقیق پر مطلع ہونے کے باوجود دوسرے اقوال اختیار کرنا ظلم ہے''۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قال ابن عباس: صلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقرأ خلفه ...، فنزلت ﴿وإذا قرئ القرآن﴾ ......وقال محمد بن كعب القرظي: كان رسول الله إذا قرأ في الصلاة أجابه من وراءه، إذا قال: بسم الله، قالوا مثل ما يقول حتى تنقضي فاتحة الكتاب والسورة، ... ما شاء الله أن يلبث، ثم نزلت آية القرآن ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾، فقرأ ... وأنصتوا......وقال عبدالله بن مغفل: إنما نزلت هذه الآية ﴿إذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ ... لقراءة الإمام، إذا قرأ الإمام فاستمع له وأنصت......وصلى ابن مسعود بأصحابه فسمع ناساً يقرؤون خلفه، فلما انصرف قال: أما آن لكم أن تفهموا؟ أما آن لكم أن تعقلوا؟ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا كما أمركم الله ......وقال أبو العالية: إن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان ... أصحابه فقرأ، قرأ أصحابه خلفه فنزلت ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ فسكت ... النبي صلى الله تعالى عليه وسلم"(۱).

''حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو بعض لوگ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیچھے تلاوت کرنے لگے، اس پر یہ آیت ﴿وإذا قرئ

۱- ... منثور: ۳/٦۳٤-٦۳٦، دار الفکر).

القرآن﴾ نازل ہوئی۔ محمد بن کعب قرطبی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز پڑھاتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے والے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرأت کے ساتھ قرأت کرتے مثلاً: جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسم اللہ پڑھتے تو وہ بھی پڑھتے، اسی طرح سورۃ فاتحہ اور اختتام سورۃ تک ہوتا، ایک عرصے تک یہ ترتیب جاری رہی، پھر قرآن کی یہ آیت: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ نازل ہوئی، اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پڑھتے لیکن مقتدی خاموش رہتے............عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں یہ آیت: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ امام کی قرأت کے متعلق نازل ہوئی، لہٰذا جب امام قرأت کرے تو اسے خوب غور اور خاموشی سے سنو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی تو بعض لوگوں کی آواز سنائی دی، جو آپ کے پیچھے کھڑے قرأت کر رہے تھے، نماز ختم کر چکنے کے بعد آپ نے فرمایا: کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم سمجھو؟ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم عقل سے کام لو؟ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خوب غور اور خاموشی سے سنا کرو جیسا کہ اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے۔ حضرت ابو العالیہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تو صحابہ بھی آپ کے پیچھے پڑھتے، اس پر ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ کی آیت نازل ہوئی، اس کے بعد صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاوت کرتے اور صحابہ خاموش رہتے تھے"۔

علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقد صح الخبر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بما ذكرنا من قوله: "إذا قرأ الإمام فأنصتوا"، فالإنصات خلفه لقرأته واجب على من كان مؤتماً سامعاً قرأته بعموم ظاهر القران والخبر عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم" (١).

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ جب امام پڑھے تو خاموش رہو، لہٰذا ظاہر قرآن اور حدیث کی وجہ سے امام کی قرأت سننے والے مقتدی پر خاموش رہنا واجب ہے"۔

---

(١) (تفسير طبري: ٩/١٦٦، مصطفى البابي الحلبي مصر).

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والأول هو الأولى، وهو أنها في القرأة في الصلوٰة"(۱) وقال ابن كثير في تفسيره: لكن يتأكد في الصلوٰة المكتوبة إذا جهر الإمام بقرأته كما رواه مسلم في صحيحه من حديث أبي موسى الأشعري قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إنما الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا"(۲).

"پہلا قول ہی بہتر ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے متعلق نازل ہوئی، ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: اگر امام جہری نماز میں قرأت کر رہا ہو تو پھر اس حکم کی تاکید مزید بڑھ جائے گی جیسا کہ "مسلم" میں ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ہے "نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہٰذا جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو"۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقول الجمهور هو الصحيح، فإن الله سبحانه وتعالى يقول: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ وقال أحمد: أجمع الناس على أنها نزلت في الصلوٰة"(۳).

"جمہور کا قول ہی صحیح ہے کیونکہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: "جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خوب غور اور خاموشی سے سنو، امام احمد فرماتے ہیں: اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے متعلق نازل ہوئی"۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ قال أحمد: فالناس على أن هذا في الصلوٰة، وعن سعيد بن المسيب والحسن وإبراهيم ومحمد بن كعب والزهري: أنها نزلت في شأن الصلوٰة، وقال زيد بن أسلم وأبو العالية: كانوا يقرؤون خلف الإمام فنزلت ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾ وقال أحمد في رواية أبي داؤد: أجمع الناس على أن هذه الآية في الصلوٰة، ولأنه عام فيتناول بعمومه الصلوٰة، وروى أبوهريرة قال: قال رسول الله صلى

(۱) تفسير بغوى سورة الاعراف ۲/۲۲۶). (۲) (تفسير ابن كثير سورة الاعراف: ۳/۲۶)

(۳) مجموعة الفتاوى: ۲۲/۱۷۷، مكتبة العبيكان).

اللّٰہ تعالی علیہ وسلم : إنما جعل الإمام لیؤتم بہ، فإذا کبر فکبروا، وإذا قرأ فأنصتوا. رواہ مسلم"(۱).

اعتراض: کہتے ہیں: ﴿فاقرء وا ما تیسر من القرآن﴾ عام ہے۔امام،منفرداور مقتدی سب کو شامل ہے،سب کے لئے یہی حکم ہے۔آپ مقتدی کے لئے قرأت کو مکروہ تحریمی کیوں کہتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اصل حکم تو یہی تھا اور سب قرأت کرتے تھے لیکن ﴿وإذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وأنصتوا﴾ کے نزول کے بعد مقتدی کے حق میں قرأت منسوخ ہوگئی۔

آیت مذکورہ سری وجہری دونوں نمازوں کو شامل ہے

امام بخاری کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ سے زیادہ سے زیادہ جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کی نفی ہوگی،سری نمازوں میں قرأت خلف الامام کی ممانعت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

جواب یہ ہے کہ آیت میں دولفظ ہیں:فاستمعوا ، أنصتوا. استمعوا کا تعلق جہری نمازوں سے انصتوا کا تعلق سری نمازوں سے ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر آواز آرہی ہو تو خوب غور سے سنو اور توجہ سے سنو،اور آواز نہ آئے تو خاموش رہو۔اس طرح تاسیس پر عمل ہوگا کہ استمعوا اور انصتوا ہر ایک کا معنی الگ الگ ہوا کہ جملتان مختلفتان مشملتان علی حکمین مختلفین کل واحد یغایر الأخر. بخلاف اگر دونوں کا خوب غور سے سنو کیا جائے تو أنصتوا، استمعوا کے لئے تاکید ہوگا۔

اور التاسیس خیر من التاکید کے پیش نظر دونوں کا الگ الگ معنی کریں گے اور ہر ایک کا حکم ہوگا لہٰذا آیت مذکورہ صلوٰۃ سریہ میں بھی ممانعت پر دال ہے۔والمعنی: وقت قرأۃ القرآن فاستمعوہ والتفتوا وتوجھوا سواء تسمعوا أو لم تسمعوا.

۲-بالفرض اگر مان لیا جائے کہ آیت مذکورہ سری نمازوں میں ممانعت پر دلالت نہیں کرتی تو پھر بھی ہمارے لئے مضر نہیں،ہمارا مدعیٰ صرف اس آیت پر موقوف نہیں،سری نمازوں میں ممانعت کے لئے دیگر دلائل موجود ہیں۔

غیر مقلدین کی توجیہ

کہتے ہیں ﴿فاقرء وا ما تیسر من القرآن﴾ [المزمل: ۲۰]، عام ہے امام،منفرد اور مقتدی سب قرأت فاتحہ و قرأت سورۃ کریں گے۔﴿إذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وأنصتوا﴾ کے نزول کے بعد مقتدی

(۱) (المغنی لابن قدامۃ، کتاب الصلوۃ، قراءۃ المأموم الفاتحۃ: ۱/۶۳۷-۶۳۸، دار الفکر).

حکم میں تخصیص ہوگئی کہ اب وہ صرف فاتحہ پڑھے، سورۃ نہ پڑھے۔

جواب یہ ہے کہ مدرک بالرکوع کے بارے میں آپ کہتے ہیں کہ اس نے رکعت پالی ہے، حالانکہ اس سے یہ جب چھوٹ گیا یعنی قرأت فاتحہ نہیں کی تو آپ نے مدرک بالرکوع کی تخصیص کی ہے، نہ اس نے فاتحہ پڑھی اور نہ ما زاد علی الفاتحۃ پھر بھی اس کی رکعت کامل ہے، اسی طرح ہم بھی تخصیص کرتے ہیں کہ ﴿فاقرء وا ما تیسر﴾ امام اور منفرد کے بارے میں اور ﴿واذا قرئ القرآن﴾ مقتدی کے حق میں ہے۔

اعتراض: مقتدی کی تخصیص کرنا درست نہیں، کیونکہ ﴿ولقد اتینك سبعاً من المثانی﴾ [الحجر: ۸۷] سے معلوم ہوتا ہے ہر ایک امام، منفرد، مقتدی اسے پڑھے گا، مثانی بار بار پڑھی جانے والی امام بھی پڑھے اور مقتدی بھی۔

جواب: بار بار پڑھنے کا تحقق صرف اس پر موقوف نہیں کہ امام و مقتدی دونوں پڑھیں، ایک رکعت کے بعد دوسری رکعت میں پڑھنا یہ ہے المثانی۔

۲- مدرک بالرکوع کے بارے میں آپ کہتے ہیں رکعت مل گئی، اس نے قرأت کہاں کی؟ سبعاً من المثانی کیسے ہوا؟

۳- ﴿ولقد اتینك سبعاً من المثانی﴾ کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کا تعلق نماز سے ہے، صرف آپ کا دعویٰ ہے۔ جب کہ ﴿واذا قرئ القرآن﴾ کے متعلق محققین کی تصریحات موجود ہیں کہ یہ نماز کے بارے میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہو اور سورۃ فاتحہ تو اصل القرآن وام القرآن ہے، اس کی قرأت کے وقت بطور دلالت النص بدرجہ اولی استماع وانصات ہوگا۔ اس لئے مقتدی سورۃ فاتحہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔

اعتراض: آیت ایک ہی ہے اور دونوں فعل ملے ہوئے ہیں استمعوا انصتوا، لیکن آپ استمعوا کو جہریہ اور انصتوا کو اطلاق پر محمول کرتے ہیں کہ الاستماع یتعلق بالجھر والانصات عام فی الجھریۃ والسریۃ. یہ فرق کیوں؟

جواب: القران فی اللفظ لا یوجب القران فی الحکم. اگر چہ استمعوا اور انصتوا دونوں ملے ہوئے ہیں لیکن دونوں کا حکم جدا جدا ہوگا۔ کیونکہ اتحاد حکم کی صورت میں دوسرا فعل پہلے فعل کی تاکید بنتا ہے اور افتراق

حکم میں تاسیس ہوتی ہے والتاسیس أولی من التاکید.

ایک عجیب بات

خطبے کے متعلق ائمہ کا اتفاق ہے کہ دورانِ خطبہ انصات واجب یا مستحب ہے کیونکہ مذکورہ آیت کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ خطبے کے متعلق نازل ہوئی، جب کہ جمہور کا قول محقق یہ ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ بالفرض اگر تسلیم کیا جائے کہ شانِ نزول خطبہ ہے تو پھر وجوب یا استحباب انصات کس بنا پر؟ ظاہر ہے کہ خطبہ ذکر اللہ اور قرآن پر مشتمل ہے، جب کہ نماز میں تو سارا ہی قرآن ہے، لہٰذا دلالۃ النص کے طور پر نماز میں بطریق اولیٰ خاموشی واجب ہوگی۔

فائدہ: امام شافعی سے لوگوں نے کہا کہ خطبے میں تو آپ انصات کے قائل ہیں، لیکن جہری نماز کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ خلف الامام بھی قرأت کی جائے گی؟!

اعتراض: امام بیہقی کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں نماز میں کلام کرنے کی اجازت تھی نزولِ آیت کے بعد ممانعت رفع الصوت اور کلام الناس سے ہوئی، قرأت کی ممانعت کے بارے میں آیت نہیں، اس لئے اگر امام کے پیچھے قرأت کی جائے تو منع نہیں۔

جواب: آپ کا یہ کہنا مذکورہ آیت سے رفع الصوت اور کلام الناس کی ممانعت ہے، قرأت قرآن کی ممانعت نہیں تو اگر کوئی نماز میں بلا رفع صوت ذکر کرے تو اس کی اجازت آپ بھی نہیں دیتے۔ اصل بات یہ ہے کہ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد اور عموم لفظ منع پر دال ہیں، کیونکہ جمہور اس نہی کو نہی عن جمیع الکلام وقت قراءۃ القرآن پر محمول کرتے ہیں اور کسی بھی قسم کے کلام کی اجازت نہیں دیتے۔

دوسری دلیل

"عن أبي موسى الأشعري أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم خطبنا، فبيّن لنا سنتنا وعلّمنا صلوتنا، فقال: إذا صليتم فأقيموا الصفوف ثم ليؤمكم أحدكم، فإذا كبر الإمام فكبروا... وإذا قرأ فأنصتوا"(۱).

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة: ۱/۱۷۸، قديمي).

"حضرت ابو موسیٰ اشعری روای ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں وعظ کہا اور سنن کا بیان فرمایا، نماز سکھلائی اور فرمایا: جب نماز پڑھنے لگو تو صفوں کو سیدھا کرو، پھر تم میں سے کوئی امامت کرے، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو"۔

جب امام قرأت کرے تم خاموش رہو، یہ خاموشی کا سلسلہ چل رہا ہے، اور جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے فقولوا آمین، قولوا کا حکم اب دیا جارہا ہے اس لئے کہ پہلے خاموش تھے، اگر مقتدی بھی سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے تو إذا قرأ فانصتوا اور قولوا کا کیا مطلب؟ پہلے سکوت تھا رفع السکوت قولوا سے ہوا۔ اگر آپ اسے تسلیم نہیں کرتے تو ایسی صریح حدیث دکھائیں جس میں ہو کہ امام اپنی اور مقتدی اپنی قرأت کرے۔

علاوہ ازیں فاتحہ مشتمل بر دعا ہے ﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ [الفاتحة: ٥]، اور دعا میں مستحب یہ ہے کہ ایک دعا کرے اور دوسرا اس کی دعا پر آمین کہے، آمین کہنے والا بھی داعی شمار ہوتا ہے ﴿قد أجيبت دعوتكما﴾ [يونس: ٨٩]، تم دونوں کی دعا قبول کی گئی، حالانکہ مفسرین نے تصریح کی کہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام مانگ رہے تھے اور حضرت ہارون آمین کہہ رہے تھے، اسی طرح امام فاتحہ پڑھے گا مقتدی خاموش رہے گا اور آخر میں آمین کہے گا۔ نیز مؤمن بھی داعی شمار ہوتا ہے جب مقتدی آمین کہے گا تو گویا کہ اس نے فاتحہ بھی پڑھی اسی لئے فرمایا: "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة".

اس کے علاوہ اگر مقتدی بھی قرأت کرے تو امام کے ساتھ قرأت کرنے کے قائل آپ بھی نہیں، لہٰذا پہلے سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہے گا پھر قرأت کرے گا، مقتدی کی قرأت ختم ہونے تک امام سکتہ کرے گا اور اتنا طویل سکتہ حدیث صحیح کجا حدیث ضعیف سے بھی ثابت نہیں۔

مزید یہ کہ مقتدی بعد فاتحۃ الامام آمین کہے گا، لیکن جب خود اپنی قرأت کرے گا تو اس میں اختتام فاتحہ پر آمین کہے گا یا نہیں؟ اگر کہے گا تو ایک رکعت میں دو مرتبہ آمین ہو جائے گی اور اس کا ثبوت درکار ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فاتحہ کے بعد آمین کہی ہو پھر اپنی فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہی ہو۔ اگر دوبارہ آمین نہیں کہے گا پہلے والی آمین پر اکتفا کرے گا تو کیا وجہ ہے کہ آمین پر اکتفا معتبر اور امام کی قرأت پر اکتفاء معتبر نہیں۔

تیسری دلیل

"عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فإذا كبر فكبروا، وإذا قرأ فأنصتوا"(۱).

"حضرت ابو ہریرہ روای ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: امام اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، لہذا جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو"۔

علامہ صدیق حسن خان فرماتے ہیں: "رجال إسناده ثقات"، اس حدیث کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ اس لئے کہ امام نسائی رجال کے بارے میں امام بخاری کے ہم پلہ ہیں، مزید فرماتے ہیں: "هذا الحديث مما ثبت من أهل السنن، وصححه جماعة من الأئمة"۔ اس حدیث کو اصحاب السنن نے نقل کیا اور ائمہ کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا(۲)۔

چوتھی دلیل

"عن أنس أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إذا قرأ الإمام فأنصتوا"(۳).

"حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام قرأت کر رہا ہو تو خاموش رہو"۔

امام بیہقی نے اس پر اعتراض کیا کہ اس کی سند میں معمری "إذا قرأ" کی زیادتی نقل کرنے میں متفرد ہیں

جواب: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "إن المحدثين قاطبة اتفقوا على كونه عادلاً ثقة"(٤).

علامہ ذہبی انہیں العلامة البارع کے القابات سے نوازتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ: ۲/۲۱۵) لہذا معمری

(۱) (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب تأويل قوله عزوجل: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون﴾: ۱/۱٤٦، قديمي).

(۲) (دليل الطالب: ۲٥٤، بحواله خزائن السنن: ۲/۱۲۰، مكتبه صفدريه).

(۳) (كتاب القرأة للإمام البيهقي: ۹۳، بحواله خزائن السنن: ۲/۱۲۰، مكتبه صفدريه).

(٤) (لسان الميزان: ۲/۲۲۳).

ہیں اور زیادة الثقة مقبولة اگر آپ اس زیادتی کو تسلیم نہیں کرتے تب بھی ہمارے لئے مضر نہیں، ہمارا مدار صرف اس پر نہیں، یہ تو ایک تائید کے طور پر ہے۔

پانچویں دلیل

"عن أبی هريرة أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انصرف من صلوة جهر فيها بالقراءة، فقال: هل قرأ معی أحد منكم انفاً؟ فقال: رجل: نعم يارسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم! قال: إني أقول: مالي أنازع القرآن، قال: فانتهی الناس عن القراءة مع رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فيما جهر فيه النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بالقراءة من الصلوات حين سمعوا ذلك من رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم"(۱).

"حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فراغت کے بعد متوجہ ہو کر پوچھنے لگے، تم میں سے ابھی کسی نے میرے ساتھ تلاوت کی ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا، جی ہاں یارسول اللہ! آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ خیال ہو رہا تھا کہ قرأت مجھ پر کیوں ثقیل ہو رہی ہے، راوی (ابوہریرہ) کہتے ہیں: اس کے بعد لوگ جہری نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرنے سے رک گئے"۔

قابل غور مقام ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں صرف ایک صحابی کہتا ہے میں نے قرأت کی۔ "فانتهی الناس عن القراءة" حضرت ابوہریرۃ کا قول ہے۔

"الناس" کا الف لام استغراقی یا عہدی (اس زمانے کے مسلمان جو آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے) ہر استغراقی عرفی ہوگا۔ لہٰذا جہری نمازوں میں اجماع صحابہ ہو گیا کہ قرأت خلف الامام ممنوع ہے، جب کہ آپ جہری نمازوں میں بھی پڑھتے ہیں۔ علماء نے اس حدیث کو ممانعت قرأت خلف الامام کے بارے میں نص قرار دیا ہے۔

اعتراض: مذکورہ حدیث کی سند میں ابن اکیمۃ اللیثی مجہول راوی ہیں، لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں۔

جواب: ان کے متعلق مجہول ہونے کا قول اختیار کرنا خود جہالت ہے۔ ان کا نام عمارہ ہے، تہذیب

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من كره القراءة بفاتحة الكتاب: ۱/۱۲۷، وموطا إمام مالك، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام: ۶۹، وسنن النسائي، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام فيما جهر به: ۱/۱۴۶).

تہذیب میں ان کے متعلق یحیی بن سعید اور ابوحاتم کا قول ذکر کیا کہ یہ ثقہ ہیں (۱)۔ غیر مقلدین میں سے علامہ مبارک پوری ان کے متعلق فرماتے ہیں: "ثقة من أوساط التابعين" (۲)۔

اعتراض: مذکورہ حدیث سے اجماع صحابہ ثابت کرنا درست نہیں، کیونکہ "فانتهى الناس عن القراءة" امام زہری کا قول ہے، حضرت ابوھریرہ کا قول نہیں۔

جواب: "ابوداؤد" میں سند صحیح کے ساتھ اس کی نسبت حضرت ابوھریرہؓ کی طرف ہے: "قال أبوهريرة فانتهى الناس عن القرأة" (۳)۔

تو آپ کس طرح اسے امام زہری کا قول بنا رہے ہیں؟

۲- بالفرض اگر یہ حضرت ابوہریرہ کا قول نہ ہو اور امام زہری کا مقولہ ہو تب بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ علامہ ابن شہاب زہری تابعی اور اعلم بالحدیث ہیں ان کا قول معتبر ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ سے مروی ہے۔

۳- یہ مقولہ حضرت ابوہریرہ کا ہو یا امام زہری یا کسی اور کا، اس سے اصل مقصد پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ یہ دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیچھے قرأت فاتحہ چھوڑ دی تھی۔

چھٹی دلیل

"عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من كان له إمام، فقراءة الإمام له قراءة" (۴)۔

علامہ مبارک پوری اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا: "حديث من كان له إمام له قرأة، مشهور عن جابر، وله طرق عن جماعة عن الصحابة وكلها معلولة" (۵)۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "کلها" کی 'ھا' ضمیر کا مرجع "طرق عن جماعة" ہے یعنی دیگر طرق معلول ہیں، خود حضرت جابر کا طریق معلول نہیں: "الضمير في قوله: "كلها راجع" إلى الطريق عن

(۱) (تهذيب التهذيب: ۷/۴۱۱، دار صادر)۔

(۲) (تحفة الأحوذي، باب ماجاء في ترك القراءة خلف الإمام: ۲/۲۳۱، مكتبة السلفية، مدينة منورة)۔

(۳) (أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب من كره القراءة بفاتحة الكتاب إذا جهر الإمام: ۱/۱۲۷)۔

(۴) (مجموعة رسائل كشميري، فصل الخطاب: ۱/۱۴۴، إدارة القرآن)۔

(۵) (تحفة الأحوذي، باب ماجاء في ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر الإمام بالقراءة: ۲/۲۴۸)۔

حسـ ـعبة من الصحابة غير جابر، فلايفيد معلولية طريق جابر، ويكفي للاستدلال صحة طريق واحد عـ، والطرق المعلوله تعطيه قوة"(۱).

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أما صحة الحديث فقد أخرجه أحمد بن منيع في مسنده بسند حسن على شرط الشيخين كما نقله الشيخ ابن الهمام، قال: أخبرنا إسحاق الأزرق، ثنا سفيان وشريك، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبدالله بن شداد، عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من كان له إمام فقراءة الإمام قراءة له ..... وقال البيهقي في كتابه (ص: ١٥٥) : وكذلك نقول بما عسى أن يصح من قوله. "من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" فرجا صحته ..... وفي فتاوى الحافظ ابن تيمية: وهذا المرسل قد عضده ظاهر القرآن والسنة، وقال به جماهير أهل العلم من الصحابة والتابعين، ومرسله من أكابر التابعين، ومثل هذا المرسل يحتج به باتفاق الأئمة الأربعة وغيرهم"(۲).

"رہا حدیث کی صحت کا معاملہ تو احمد بن منیع نے اپنی مسند میں اسے ایسی سند سے ذکر کیا جو شیخین کی شرط پر ہے جیسا کہ ابن ہمام نے نقل کیا: اسحٰق ازرق، سفیان وشریک سے، وہ دونوں موسیٰ بن ابی عائشہ سے، وہ عبداللہ بن شداد سے اور عبداللہ بن شداد حضرت جابر سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کسی امام کی اقتداء میں ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت شمار ہوگی" ..... بیہقی کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کی صحت امید رکھتے ہیں ..... علامہ ابن تیمیہ کے فتاویٰ میں ہے: "اگر اس حدیث کو مرسل شمار کیا جائے تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ ایسی مرسل روایت ہے جس کی تائید قرآن وحدیث کے ظاہر سے ہوتی ہے اور صحابہ وتابعین کا جم غفیر اسی پر عمل پیرا ہے، اس کا مرسل اکابر تابعین میں سے ہے اور ایسی مرسل بالاتفاق قابل احتجاج ہے"۔

نرالی دلیل

غیر مقلدین نے اس حدیث کی عجیب تاویل کی کہتے ہیں: "قراءة الإمام له قراءة"، "له" کا مرجع امام ہے۔

---

(۱) مجموعہ رسائل لکھنوی، إمام الكلام: ۱٦٦/۳، إدارة القرآن).

(۲) مجموعہ رسائل کشمیری، فصل الخطاب: ۱/۱٤٤- ۱٤٦، إدارة القرآن).

جو کہ مرجع قریب ہے نہ کہ "مـــن" کیونکہ وہ مرجع بعید ہے اور مرجع قریب کو اختیار کرنا اولی ہے بنسبت مرجع بعید اختیار کرنے سے، معنی یہ ہوا، جس کا کوئی امام ہو تو (وہ بھی خوب سن لے) امام کی قرأت خود اسی امام کے لئے ہوگی۔

جواب: "مَنْ" اسماء شرطیہ میں سے ہے، اس کی جزاء میں ایک ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو "من" کی طرف راجع ہو، نیز "فقراءة الإمام له قراءة" جملہ ہے اور جملے کا ماقبل سے ربط بھی ہونا چاہیے۔ اگر "له" ضمیر کا مرجع "الإمـــام" کو قرار دیں تو نحو کے ان دونوں قاعدوں کی مخالفت ہوگی، لہٰذا ضمیر کا مرجع "من" ہی کو قرار دیں گے۔ یعنی امام کی قرأت مقتدی کی قرأت شمار ہوگی، مقتدی کو قرأت کی ضرورت نہیں۔ اس کے نظائر بھی موجود ہیں: ﴿ومـــن دخله كان امنا﴾ [آل عمران: ۹۷]، کان کا اسم "ھو" اس کا مرجع "من" ہے جو کہ مرجع بعید ہے۔

﴿ومن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾ [الزلزال: ۷]، "يره" جزاء ہے، ضمیر فاعل "ھو" کا مرجع "من" ہے جو کہ رابط بھی ہے۔

﴿فاما من ثقلت موازينه فهو في عيشة راضية﴾ [القارعة: ٦، ٧]، "ھو" کا مرجع "من" ہے۔

احادیث مرفوعہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قرأۃ خلف الامام جائز نہیں۔ آثار صحابہ بھی اس مسئلے پر بکثرت موجود ہیں۔

۱- "عن جابر قال: من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الإمام"(۱).

"حضرت جابر فرماتے ہیں جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی، البتہ امام کے پیچھے ہو تو پھر درست ہے"۔

صراحتاً دلالت موجود ہے کہ مقتدی کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔

۲- "إن عبدالله بن عمر كان إذا سئل هل يقرأ أحد خلف الإمام؟ قال: إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قراءة الإمام، وإذا صلى وحده فليقرأ، قال: وكان ابن عمر لا يقرأ خلف الإمام"(۲).

"حضرت عبداللہ بن عمر سے جب پوچھا جاتا کہ امام کے پیچھے قرأت ہوگی؟ تو آپ

(۱) (موطا إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ما جاء في أم القرآن: ٦٦، مير محمد).

(۲) (موطا إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ترك القراءة خلف الإمام فيما جهر فيه: ٦٨ مير محمد).

فرماتے: اگر امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو امام کی قرأت کافی ہے، اور جب اکیلا نماز پڑھے تو پھر قرأت کرے، اور ابن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے"۔

۳- "وسئل أبو جمرة ابن عباس، وقال: أقرأ والإمام بين يدی؟ قال: لا"(۱).

"ابو جمرہ نے ابن عباس سے پوچھا: امام کے پیچھے قرأت کرسکتا ہوں؟ حضرت ابن عباس نے جواب دیا: نہیں"۔

٤- كان عشرة من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينهون عن القراءة خلف الإمام أشد النهي: أبوبكر الصديق، وعمر الفاروق، وعثمان بن عفان، وعلی بن أبی طالب، وعبدالرحمٰن بن عمر، وعبدالله بن عباس رضى الله تعالى عنهم"(۲).

"صحابہ کرام میں سے دس سختی سے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کرتے تھے: ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم"۔

٥- "قال علی: من قرأ مع الإمام فليس على الفطرة"(۳).

"حضرت علی فرماتے ہیں: "جو امام کے پیچھے قرأت کرے وہ خلاف فطرت فعل کا مرتکب ہے"۔

☆......☆......☆......☆

(۱) شرح معانی الآثار، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام: ۱/۱۵۱، سعيد).

(۲) عمدة القاری، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم: ٦/١٨، دار الكتب العلمية).

(۳) شرح معانی الآثار، كتاب الصلاة، باب القراءة خلف الإمام: ۱/۱۵۰، سعيد).

غیر مقلدین کے دلائل

پہلی دلیل

"لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب"(١).

کہتے ہیں: "جو فاتحہ کی قرأت نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی"۔ "من" عام ہے، امام مقتدی و منفرد سب کو شامل ہے۔ یعنی کسی کی بھی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی۔

جواب: یہاں پر "من" عام نہیں کہ سب کو شامل ہو جائے، امام اور منفرد کو تو شامل ہے مقتدی کو شامل نہیں۔ کیونکہ "من" ہمیشہ عموم ہی کے لئے ہو ایسا نہیں ہوتا۔ قرآن میں ہے: ﴿ويستغفرون لمن في الأرض﴾ فرشتے زمین میں رہنے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، "من في الأرض" میں کافر بھی ہیں اور کفار یقیناً اس میں شامل نہیں، صرف اور صرف مسلمان مراد ہیں۔ ﴿أأمنتم من في السماء﴾ [الملك: ١٦]. "من في السماء" کا اطلاق ملائکہ پر بھی ہوتا ہے لیکن وہ مراد نہیں، اللہ رب العزت کی ذات مراد ہے۔

اسی لئے امام رازی فرماتے ہیں: "كلمة من لا تفيد العموم". اور "نور الانوار" میں ہے: "من يحتملان العموم والخصوص"(٢). لہٰذا "لا صلوة لمن لم يقرأ" کا معنی ہوگا "لا صلوة لمنفرد لم يقرأ بفاتحة الكتاب". امام بھی منفرد کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ: أحكام الصلوة الإمام أحكام صلوة المنفرد

علامہ ابو البقاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "الموصولات لم توضع للعموم بل هي للجنس يحتمل العموم والخصوص"(٣).

---

(١) (الصحيح للبخاري، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم: ١/١٠٤، والصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة: ١/١٦٩).

(٢) (نور الأنوار: ٧٩، إمداديه).

(٣) (كليات أبي البقاء: ٤١٨، دار الاشاعت العربيه كوئٹه).

امام الحرمین عبد الملک الجوینی "البرہان فی اصول الفقہ" میں فرماتے ہیں: کلمہ من فرد کے لئے آتا ہے جیسا "...ای" اور "أیۃ" فرد واحد کیلئے آتے ہیں۔ ان میں عموم علی سبیل البدلیت ہوتا ہے، کل من دخل ھذا الحصن ...مدلول وضعی کل فرد دخل ھذا الحصن ہے۔

"من" سے "من" موصوفہ مراد ہے یا "من" موصولہ؟ "من" موصولہ کا مصداق معرفہ اور "من" موصوفہ کا مصداق نکرہ ہوتا ہے، باقی دونوں کے لئے ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو ان کی طرف لوٹے۔

اگر "من" موصولہ مراد لیتے ہیں تو موصولات میں سے کوئی ایک مراد ہوگا اسے متعین کرنا پڑے گا، اگر امام معین تو مقتدی نکل جائے گا اور اگر مقتدی مراد لیں تو امام نکل جائے گا اور موصول آپ مراد نہیں لیتے۔

اگر "من" موصوفہ مراد لیتے ہیں تو اس کا مصداق نکرہ ہوتا ہے، اس صورت میں معنی ہوگا "لا صلوۃ لفرد او ...ۃ أو لفذ او لواحد لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب.

تاکید اسی بات کی ہوگی جس کے ہم قائل ہیں۔ غیر مقلدین اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ لا صلوۃ لأحد لم ... فرد اور چیز ہے احد اور چیز ہے "من" فرد کے لئے آتا ہے "من" کا ترجمہ "احد" سے کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

۲- اگر آپ "من" کو عام ہی قرار دیں اور اس میں تعمیم کرتے ہیں کہ امام منفرد و مقتدی سب کو شامل ہے تو قرأت میں تعمیم کرتے ہیں یعنی لا صلوۃ لمن لم یقرأ قرات ضروری ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً، امام کی قرأت، قرأت حقیقی جب کہ مقتدی کی قرأت قرأت حکمی ہے۔ "من کان لہ إمام فقراءۃ الإمام لہ قراءۃ".

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: صلاۃ کی دو انواع ہیں:

۱- صلاۃ الفذ جسے منفرد ادا کرتا ہے۔

۲- صلاۃ مع الجماعۃ جس میں امام اور مقتدی دونوں شریک ہوتے ہیں اور مصلین کی تین قسمیں ہیں: امام، مقتدی منفرد، آپ کا دعوی عموم المصلین کا ہے کہ ہر مصلی کے لئے قرأت فاتحہ ضروری ہے چاہے امام ہو مقتدی ہو یا منفرد جب کہ حدیث میں عموم صلوۃ کا بیان ہے کہ ہر نماز کے لئے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے انفرادی ہو یا اجتماعی، انفرادی نماز منفرد پڑھتا ہے اور اجتماعی نماز میں امام پڑھتا ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں، حدیث میں اسی کا بیان ہے کوئی نماز بغیر فاتحہ درست نہیں۔ حدیث میں عموم صلاۃ کا ذکر ہے اور آپ کا دعوی عموم المصلین کا ہے، حدیث میں جس چیز کا ذکر

ہے وہ آپ کا دعویٰ نہیں اور جو آپ کا دعویٰ اس پر حدیث دلالت نہیں کرتی (۱)۔

۴- اس حدیث پر آپ بھی مکمل عمل نہیں کرتے کیونکہ قرأ سورة الهود ، قرأ سورة الفاتحة کا معنی ہے صرف سورۃ ھود اور سورۃ فاتحہ کی قرأت کی اور قرأ بالهود ، قرأ بالفاتحة کا معنی سورۂ ھود کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی ملایا، سورۂ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ہے۔ یہ فرق علامہ بنوری نے اہل بلاغت سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں یقرأ بفاتحة الكتاب ہے یعنی فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ہے اور اس کی تائید حدیث میں "فصاعداً" کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوا "فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی سورت کی قرات نہیں کی" تو کیا وجہ ہے کہ فاتحہ کو آپ واجب قرار دیتے ہوئے مقتدی کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں اور مازاد علی الفاتحۃ کو واجب قرار نہیں دیتے۔

۵- "إنما جعل الإمام ليؤتم به" امام کی اتباع واقتداء ضروری ہے لیکن سبحان ربی العظیم سبحان ربی الأعلی ، التحیات مقتدی کو مستقل پڑھنا ہے، ان کا استثناء ہے اور اس بارے میں نصوص موجود ہیں تحیہ مقتدی مستقل خود قرأت کرے، اس کے لئے مستقل دلیل ناطق صریح چاہیے، عمومات سے کام نہیں چلے گا۔ صراحت سے میں ذکر ہو کہ اس میں امام کی اتباع نہیں ہوگی۔

وجوب اور فرضیت غیر مقلدین کے ہاں ایک ہی چیز ہے تو لاصلوٰۃ خبر واحد سے کتاب اللہ ﴿فاقرءوا ماتيسر من القرآن﴾ پر زیادتی کہ صرف فاتحہ کو متعین کرنا کس طرح درست ہے؟

اس کا جواب دیتے ہیں کہ "لاصلوة لمن لم يقرأ" یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہوتی ہے۔

جواب: آپ اسے مشہور قرار دیتے ہیں تو تصحیح النقل کے طور پر ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اس کا شہرت دکھادیں۔ حدیث مشہور کی ایک پہچان محدثین کے نزدیک یہ ہے کہ اس میں تابعین کا اختلاف نہ ہو:

"لانسلم أنه مشهور؛ لأن المشهور ماتلقاه التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون في هذه المسئلة، ولئن سلمنا أنه مشهور فالزيادة بالخبر المشهور إنما تجوز إذا كان محكماً، أما إذا كان محتملاً فلا، وهذا الحديث محتمل "(۲).

(۱) (معارف السنن، كتاب الصلوة، باب ماجاء في القراءة خلف الإمام: ۳/۲۱۵، سعيد).

(۲) (عمدة القارى، كتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم: ۶/۱۶، دار الكتب العلمية).

"تابعین کا اس مسئلے میں اختلاف ہے، اگر ہم اس حدیث کو مشہور تسلیم کرلیں تب بھی اس سے استدلال نہیں کیا جاتا کیونکہ خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی اس وقت جائز ہوتی ہے جب وہ محکم ہو، اگر محتمل ہو تو پھر زیادتی جائز نہیں اور یہ حدیث محتمل ہے"۔

۲- بالفرض اسے مشہور مان لیں پھر بھی اس سے زیادتی علی کتاب اللہ جائز نہیں ہوگی کیونکہ خبر مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی اس وقت جائز ہے جب وہ خبر محکم ہو اور محکم وہ ہے جس میں تاویل نہ چل سکے "المحکم ما سد فيه باب التاويل"۔ اور یہاں تو احتمال ناشی عن دلیل موجود ہے کہ "لا" نفی صحت کے لئے نہ ہو بلکہ نفی کمال کے لئے ہو جیسے: "لا صلوة لجار المسجد إلا في المسجد" میں ہے۔ بنابر احتمال مشہور تسلیم کرنے کے بعد بھی اس سے زیادتی علی کتاب اللہ جائز نہ ہوگی اور نہ ہی اسے آیت کی تفسیر قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ آیت واضح ہے اسے تفسیر کی ضرورت نہیں۔

لا صلوة لمن لم يقرأ منفرد کے بارے میں ہے

حضرت ابن عمر اور حضرت جابر کا قول ہے کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے: "إن هذا الحديث في المنفرد"(۱)۔

"وقال أحمد بن حنبل: إنه في حق المنفرد"(۲)۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے۔

وقال سفيان: "لمن يصلي وحده"(۳)۔ "سفیان فرماتے ہیں یہ حدیث اس شخص سے متعلق ہے جو تنہا پڑھ رہا ہو"۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فأما حديث عبادة الصحيح فهو محمول على غير المأموم، وكذلك حديث أبي هريرة، وقد جاء مصرحاً به، رواه الخلال بإسناده عن جابر أن النبي

(۱) موطأ إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في أم القرآن: ٦٦، وجامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر بالقراءة: ۷۱/۱، سعيد.

(۲) جامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ترك القراءة خلف الإمام إذا جهر بالقراءة: ۷۱/۱.

(۳) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته: ۱۲٦/۱، إمداديه.

صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال: "كل صلاة لا يقرأ فيها بأمر القرآن فهي خداج إلا أن تكون وراء الإمام". وقد روى أيضاً موقوفاً عن جابر. وقول أبي هريرة: "اقرأ بها في نفسك" من كلامه. وقد خالفه جابر وابن الزبير وغيرهما"(١).

"حضرت عبادہ کی حدیث غیر مقتدی پر محمول ہے، اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی حدیث بھی، اور باقاعدہ اس کی تصریح بھی ہے جسے خلال نے اپنی سند سے بواسطہ حضرت جابر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا: "ہر وہ نماز جس میں فاتحہ نہ پڑھی جائے ناقص ہے، البتہ اگر امام کی اقتداء میں ہو تو درست ہے"، یہی بات حضرت جابر سے موقوفاً بھی ثابت ہے اور "اقرأبها في نفسك" دل ہی دل میں پڑھ لیا کرو، حضرت ابوہریرہ کا اپنا قول ہے، جس میں حضرت جابر، حضرت ابن زبیر وغیرہ ان سے اختلاف رکھتے ہیں"۔

ایک نکتہ

امام سورۃ فاتحہ پڑھے گا اور منفرد بھی "مازاد على الفاتحة" بھی پڑھیں گے۔ ہماری بحث اس میں ہے۔ مقتدی فاتحہ خلف الامام پڑھے گا یا نہیں؟ غیر مقلدین کہتے ہیں پڑھے گا، دلیل: "لاصلوة لمن لم يقرأ" ان سے کہیں اس حدیث میں کہاں لفظ مقتدی ہے؟ کہیں گے فلاں محدث نے کہا کہ یہ مقتدی کو بھی شامل ہے، ان سے کہا جائے گا محدث کے قول کو چھوڑ کر ہمیں حدیث دکھائیں، کیونکہ آپ کے ہاں مشہور ہے اہل حدیث کے دو اصول أطيعوا الله وأطيعوا الرسول.

الزامی جواب

غیر مقلدین کہتے ہیں سورۃ فاتحہ ہر رکعت میں پڑھنی ہے، دعویٰ میں آپ ان سے یہ بات بھی لکھوائیں تحریر وہ لکھنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے۔ حالانکہ ان کا مذہب یہی ہے، آپ ان سے دریافت کریں کہ مدرک بالرکوع جو شخص رکوع میں امام کے ساتھ آکر ملا اس کی رکعت شمار ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ اگر رکعت شمار ہوتی ہے پھر سوال یہ ہے کہ فاتحہ کہاں گئی؟ اگر آپ کہتے ہیں تسبیحات رکوع میں فاتحہ پڑھے تو یہ حدیث کی مخالفت ہے۔ ممنوع

(١) (المغني لابن قدامة، كتاب الصلوة، قراءة المأموم: ١/٦٣٨، دار الفكر).

تو حضرت علی کی روایت ہے:

"نهاني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أن أقرأ راكعاً أو ساجداً"(۱).

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے رکوع وسجدے میں قرأت سے منع فرمایا۔ تو یہ واجب ترک ہوا، اور واجب پر سجدہ سہو ہوگا تو ایسے شخص کو سجدہ سہو کرنا چاہیے، اس کے قائل آپ نہیں۔

کہتے ہیں کہ حنفیہ کے ہاں قیام فرض ہے، مدرک بالرکوع کو قیام کا موقعہ نہ ملا تو وہ فرض کہاں گیا؟ آپ ترک فرض کے باوجود اسے مدرک رکعت شمار کرتے ہیں تو ہم اگر ترک واجب کے ساتھ مقتدی کو مدرک رکعت قرار دیں تو کیا ہے؟

جواب: مدرک بالرکوع کا قیام ترک نہیں ہوا بلکہ قیام مفروض اس نے پالیا۔ ہماری کتب فقہ میں ہے: "الركوع يشمل القيام من وجه" ہم تو مقلد ہیں اور ائمہ کی تفریعات پر عمل کرتے ہیں لیکن آپ کے پاس کیا ہے؟ علامہ شوکانی کی رائے پہلے یہ تھی کہ مدرك بالركوع ليس بمدرك الركعة لیکن بعد میں اس سے رجوع کرلیا تھا۔

دوسری دلیل

"حدثنا إسحق بن إبراهيم الحنظلي، قال: أخبرنا سفين بن عيينه، عن العلاء بن عبد الرحمن، عن أبيه، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من صلى صلوةً لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثاً غير تمام، فقيل لأبي هريرة: إنا نكون وراء الإمام، فقال: اقرأ بها في نفسك"(۲).

''حضرت ابو ہریرہ روای ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز میں فاتحہ کی تلاوت نہیں کی اس کی نماز ناقص ہے تام نہیں، آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے،

---

(۱) صحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود: ۱/۱۹۱، قديمي).

(۲) صحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة: ۱/۱۶۹، وسنن أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته: ۱/۱۲۵، ۱۲۶، إمدادية).

حضرت ابو ہریرہ سے کہا گیا، جب ہم امام کے پیچھے ہوں پھر کیا کریں؟ آپ نے کہا دل ہی دل میں فاتحہ کا تصور کیا کرو"۔

"اقرأ بها في نفسك" کا ترجمہ کرتے ہیں اسے آہستہ آہستہ پڑھو۔ اس سے قرأت خلف الامام ثابت ہورہی ہے۔

جواب: اولاً تو سند میں کلام ہے۔ اس میں علاء بن عبدالرحمن ہیں، جن کے بارے میں ابن معین فرماتے ہیں: "ليس حديثه بحجة"(١).

ثانیاً: "کتاب القرأة" للبیہقی میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "كل صلوة لا يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج إلا صلوة خلف الإمام"(٢).

"ہر وہ نماز جس میں ام القرآن (سورہ فاتحہ) کی قرأت نہ ہو وہ ناقص ہے، مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے ہو وہ بغیر قرأت فاتحہ بھی ہو جاتی ہے"۔

غیر مقلدین حضرت خالد بن عبداللہ طحان کے متعلق تفرد کی باتیں کرتے ہیں لیکن یہ ثقہ ہیں اور "زيادة الثقة مقبولة".

یہاں لفظ "کل" ہے "کل صلوۃ" کل افرادی مراد لیں یا مجموعی دونوں صورتوں میں حنفیہ کا عمل اس حدیث پر ہے، وہ اس طرح کہ کل افرادی یعنی انفرادی نماز منفرد کی اس میں بھی ہم قرأت فاتحہ کو لازم قرار دیتے ہیں اور کل مجموعی اجتماعی نماز میں بھی امام کے لئے قرأت فاتحہ کو واجب کہتے ہیں، مقتدی کا ذکر ہی اس میں نہیں۔ کل کی ایک صورت یہ ہے کہ کل انفرادی و مجموعی دونوں مراد ہوں لیکن یہ معنی مجازی ہے "والحقيقة أولى من المجاز". اور جن روایات میں "من" آتا ہے "من كان له إمام" تو ان میں مقتدی کا وظیفہ صراحتاً مذکور ہے کہ امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

پھر حدیث میں لفظ "خداج" آیا ہے اور "خداج" رکنیت کا تقاضا نہیں کرتا "مشکوۃ" میں حدیث ہے "الصلوة مثنى مثنى تشهد وتخشع ......فمن لم يفعل فهي خداج". اظہار المسکنۃ والتضرع والتخشع ارکان

(١) (تهذيب التهذيب: ١٨٧/٨، دار صادر).

(٢) (مجموعة رسائل اللكهنوي، غيث الغمام حاشية إمام الكلام: ١٣٨/٣، إدارة القرآن).

صلوۃ نہیں اس لئے لفظ "خداج" استعمال کیا گیا۔

"فی نفسک" کو ظرف لغو بنائیں گے یا ظرف مستقر؟ اگر ظرف مستقر بنائیں تو حال بنے گا حال کونک وحداً او منفرداً، لہٰذا امام کے پیچھے قرأت کی اجازت نہیں ہوگی۔ اگر ظرف لغو بنائیں اور اصل ظرف لغو ہی ہے، عبارت مذکورہ میں ظرف لغو ہی بنے گا کیونکہ متعلق موجود ہے لہٰذا ترجمہ ہوگا: "دل ہی دل میں پڑھ لیا کرو"۔ اور دل میں پڑھنا قرأت نہیں، قرأت زبان سے ہوتی ہے اور قرأۃ فی النفس خیال ہے، قرأت منافی ہے نفس کے اور نفس منافی قرأت ہے۔

اشکال: کہتے ہیں لفظ "اقراء" موجود ہے جس کا معنی زبان سے پڑھنا ہے۔

جواب: "اقراء" یہاں اپنے حقیقی معنی میں نہیں، بلکہ "تفکر" کے معنی میں ہے اور اس پر قرینہ آخر میں "فی نفسک" ہے اور قرآن کریم میں اس کے نظائر موجود ہیں:

﴿قال أنتم شر مكاناً﴾ [يوسف: ٧٧] أي: قال في قلبه. ﴿قالوا إنا لله وإنا اليه راجعون﴾ [البقرة: ١٥٦] أي: اعتقدوا. یہاں لفظ قول مذکور ہے لیکن زبان سے کہنا مراد نہیں بلکہ اعتقاد اور کلام نفسی مراد ہے۔

نیز فارسی کہتے ہیں میں امام کے پیچھے ہوتا ہوں اور ابوھریرہ فرماتے ہیں آہستہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔ حدیث میں حضرت ابوھریرہ ساتھ ساتھ پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں اس کے قائل آپ بھی نہیں، آپ تو سکتات کے دوران یا آخری سکتے میں فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ یہ تو اقرأ بها في نفسك نہیں بلکہ اقرأ بها بعد الإمام في نفسك، یا اقرأ بها في نفسك أثناء السكتات ہوا۔ اقرأ بها في نفسك نہ ہوا، کیونکہ وہ مطلق ہے۔

علاوہ ازیں قرأت فی النفس پر قرأت کا اطلاق نہیں ہوتا، "بیہقی" میں روایت ہے:

"عن أبي معمر عبدالله بن سخبرة، قال: سألت خباباً: أكان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقرأ في الأولى والعصر؟ قال: نعم، قال: بأي شيء كنتم تعرفون ذاك؟ قال: باضطراب لحيته"(١).

علامہ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وفيه دليل على أنه لابد من أن يحرك لسانه بالقراءة". "یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرأت میں زبان ہلانا ضروری ہے"۔

---

(١) السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلوة، باب لتجزئه قرأته في نفسه إذا لم يتلفظ به لسانه: ٧٩/٢).

تیسری دلیل

"حدثنا عبدالله بن محمد النفيلي، نا محمد بن سلمة، عن محمد بن إسحاق، عن مكحول، عن محمود بن الربيع، عن عبادة بن الصامت قال: كنا خلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في صلوة الفجر، فقرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فلما فرغ قال: لعلكم تقرؤون خلف إمامكم، قلنا نعم، هذاً يارسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: لاتفعلوا إلا بفاتحة الكتاب؛ فإنه لاصلوة لمن لم يقرأ بها"(١).

"حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز فجر پڑھ رہے تھے، نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تم لوگ بھی امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو، ہم نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! جلدی جلدی قرأت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سوائے فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی"۔

جواب: مذکورہ حدیث کی سند میں محمد بن اسحٰق ہے، امام مالک فرماتے ہیں: مجھے کعبۃ اللہ اور حجر اسود کے درمیان کھڑا کیا جائے تو میں قسم کھا کر کہوں کہ محمد بن اسحاق دجال من الدجاجلۃ ہے تو میں حانث نہیں ہوں گا۔ اگرچہ مغازی کے بارے میں محمد ابن اسحٰق کا قول معتبر ہے لیکن احکام میں ان کی روایات قابل قبول نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ "تنوع العبادات" میں فرماتے ہیں: "ضعفه ثابت بوجوه"(٢).

"مجموعۃ الفتاویٰ" میں فرماتے ہیں: "وهذا الحديث معلل عند الأئمة كأحمد وغيره أئمة الحديث"(٣).

جواب: ٢- "الاستثناء بعد الحظر يفيد الإباحة". نہی اور ممانعت کے بعد استثناء اباحت کا فائدہ

---

(١) (سنن أبوداود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته: ١/١٢٦، وجامع الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في ترك القراءة خلف الإمام: ١/٦٩-٧٠، سعيد).

(٢) (مجموعه رسائل كشميري، فصل الخطاب: ١/١٤١، إدارة القرآن).

(٣) (معارف السنن، كتاب الصلوة، باب ماجاء في القراءة في خلف الإمام: ٣/٢٠٠، سعيد).

ہے۔﴿لا تقتلوا الصید وأنتم حرم﴾ نہی ہے بعد میں اجازت ﴿وإذا حللتم فاصطادوا﴾ لیکن یہ اجازت کے لئے ہے۔اسی طرح "لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب". "لاتفعلوا" نہی ہے۔اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا مباح ہے اور جزءثانی "فإنه لا صلوة لمن لم يقرأ بها" سے وجوبیت معلوم ہوتی ہے ان دونوں اجزاء میں تعارض ہے، اسی لئے محدثین نے فرمایا یہ مدرج من الراوی ہے حدیث مرفوع کا حصہ نہیں (۱)۔

ایک سوال: مازاد علی الفاتحۃ کو آپ قرأت کہتے ہیں یا نہیں؟اور امام کی قرأت مازادعلی الفاتحہ صرف امام کے لئے ہے یا سب مقتدیوں کی طرف سے ہے؟اگر آپ اسے قرأت نہیں کہتے تو یہ بداہت کا انکار ہے آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا یہ بھی قرأت ہے، جب مازادعلی الفاتحہ قرأت ہے اور امام کی قرأت سب کی طرف سے کفایت کرتی ہے تو سورۃ فاتحہ کی قرأت کیوں کفایت نہیں کرتی ؟

دوسرا انداز: نیز نفس فاتحہ پڑھنے پر قرأت کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟اگر جواب انکار میں ہو تو یہ ظلم اور بدیہی چیز کا انکار ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ اصل القراءۃ ہے:"كانوا يفتتحون الصلوة بالحمد لله رب العالمين"(۲).

بلکہ سورۃ فاتحہ تو اصل القرات ہے کیونکہ امام بخاری نے اس پر عنوان قائم کیا"باب مایقرأ بعد التكبير" معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا ہی قرأت ہے۔جب یہ بھی قرأت اور مازاد علی الفاتحۃ بھی قرأت تو کیا بات ہے مازاد علی الفاتحۃ میں امام سب کی طرف سے متکلم ہے اور اس کی قرأت کفایت کرتی ہے اور سورۃ فاتحہ میں اس کی قرأت کفایت نہیں کرتی ؟

آخری جواب: قطع نظر تمام باتوں کے آپ کے پیش کردہ دلائل کو تسلیم کرلیں تب بھی فرضیت فاتحہ کا ثابت ہونا ان سے مشکل ہے لأن الفرضية لاتثبت بأخبار الآحاد.

☆......☆......☆......☆

---

(۱) معارف السنن، کتاب الصلوة، باب ماجاء في القراءة في خلف الإمام: ۳/۲۰۷-۲۰۸، سعيد).

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الأذان، باب مايقرء بعد التكبير: ۱/۱۰۳، قديمي).